بحث و نظر

ایک فراموش شدہ سُنّت

(اسلامی تصورِ حیا، لباس اور نماز میں سر ڈھانپنے کا مسئلہ)

پروفیسر آسی ضیائی سیالکوٹ

جنوری کے ترجمان القرآن میں جناب مولانا سیّد محمود حسن صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں کتبِ احادیث و فقہ سے بڑی تعداد میں حوالے دے کر ثابت کیا گیا ہے کہ حالت نماز میں سر برہنہ رہنا پسندیدہ فعل نہیں۔ فی الحقیقت ہمارے معاشرے میں اسلام سے محبت اور اس کے تقاضوں کو حسبِ استطاعت پورا کرنے کی خواہش کے باوصف، خاصی تعداد ایسے افراد کی ہے جن کو بعض بہت ہی ابتدائی اور عام نوعیت کے مسائل کا بھی علم نہیں۔ اور علم ہو بھی کیونکر، جب اسے سکھانے کا اہتمام نہ ان نوجوانوں کی کسی درس گاہ میں کیا جاتا ہے، اور نہ اُن کے والدین ہی ان کی اہمیت جان کر اُن کے ذہن نشین کراتے ہیں۔ لے دے کے ایک مسجد ایسا مقام تھا جہاں ایسے مسائل اُن کے علم میں آسکتے تھے، سو وہاں اُن کو بھیجنے یا ساتھ لے جانے کی فکر اُن کے بزرگ نہیں کرتے اور جب نوجوان اللہ کی توفیق سے کسی اور طرح کی اہمیت کو پہچان کر مسجد جانا شروع کرتے ہیں تو قدم قدم پر اُن کی ناواقفیت کا دوسروں کو احساس ہوتا ہے اور زیرِ نظر مضمون بھی غالباً اسی احساس کے تحت لکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں میں فاضل مضمون نگار سے اختلاف کی جسارت کرتا ہوں۔

میری ناقص رائے میں برہنہ سر نماز پڑھنا —— کم از کم موجودہ دَور میں —— اتنا فقہی مسئلہ نہیں جتنا تمدنی ہے۔ آج سے کم و بیش نصف صدی پیشتر تک کوئی شخص ہمارے "پاک ہندی"

معاشرے میں ننگے سر نماز پڑھنے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ مگر اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اُس وقت سر کی پوشش (پگڑی، ٹوپی وغیرہ) مرد کے لباس کا اہم اور لازمی جز تھا۔ گھر سے باہر نکلتے ہوئے کسی کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ سر ڈھانکے[1] بغیر لوگوں کے سامنے آسکے۔ بلکہ شرفا کے گھرانوں میں تو اس کی یہاں تک پابندی کی جاتی تھی کہ کمسن بچے بھی اپنے بڑوں کے سامنے ننگے سر نہیں ہوسکتے تھے۔ اگر کوئی شخص آرام کر رہا ہو اور کوئی اُس سے ملنے آجاتے تو بستر سے اُٹھتے اُٹھتے اُس کا ہاتھ سب سے پہلے اپنی ٹوپی یا پگڑی پر پڑتا تھا، جسے سر پر رکھے بغیر وہ سلام کرنا بھی معیوب سمجھتا تھا۔ مختصراً یہ اُس دور کی 'تہذیب' کا اہم تقاضا ہی سر ڈھانکنا، اور دن رات کے بیشتر حصے میں ڈھانکے رہنا تھا، اس لیے نماز بھی قدرتاً ننگے سر نہیں پڑھی جاتی تھی۔

مگر جب مغربی آداب معاشرت رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے میں نفوذ پاتے چلے گئے اور مزید یہ کہ اُن پر عمل کرنے کی آزادی بھی اس طرح ملنے لگی کہ یہی مغربی تہذیب کے رہنما ہی ہماری سیاسی آزادی کے نقیب اور پیشوا بنے تو کون تھا جو ان "رہنمایانِ کرام" کی تقلید کرنے والوں کو اُن کی کسی غلط روش پر ٹوکتا، یا قدیم تمدن سے اُن کے انحراف پر احتجاجاً لب کشا ہوتا؟ پھر ملک کی آزادی کے بعد جب ہمارے عوام کے روابط غیر ملکی لوگوں سے بڑھے اور اُنھوں نے مصری، شامی، لبنانی اور ترک (وغیرہم) باشندوں کو نماز بھی ننگے سر ہی پڑھتے دیکھا (کہ ان ممالک میں یہ دستور ہم سے بہت پہلے رائج ہو چکا تھا) تو انہیں نماز بھی بغیر سر ڈھانکے پڑھنے کی شہ مل گئی۔

بہ ایں ہمہ ہمارے ملک میں آج بھی خاصی تعداد، بلکہ شاید اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کو بچپن ہی سے سر ڈھانک کر نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی تھی، اور وہ اب تک اس کی پابندی کیے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک دوسری انتہا ہے۔ آپ کو آج بھی ایسے حضرات بڑی تعداد میں دکھائی دیتے ہوں گے جو

---

[1] مولف مضمون چونکہ زباندانی میں مجھ سے دس گنا آگے ہیں، اس لیے میں ایک مسئلہ بطور سوال چھیڑ رہا ہوں۔ ضروری نہیں کہ یہ بحث ترجمان القرآن میں آئے۔ ڈھانپنا اور ڈھانکنا دو الگ الگ مصدر ہیں۔ دونوں کا محل استعمال بھی ایک نہیں ہوسکتا۔ میرا تصور یہ رہا ہے کہ ڈھانکنا کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں ڈھکن کی طرح کوئی چیز رکھی جاتی ہو۔ جسم کے کل یا کسی حصے کے لیے ڈھانپنا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ؎ "ڈھانپے کفن کے میرے عیوب برہنگی" (ف۔ ص)

مغربی سوٹ میں ملبوس ہونے کے باوجود، نماز پڑھتے وقت کسی نہ کسی طرح سر ڈھانکنے کا اہتمام کر ہی لیتے ہیں، خواہ اپنے رومال سے، خواہ مسجد میں اسی مقصد کے لیے رکھی جانے والی تنکوں کی ٹوپی سے! میں صاحبِ مضمون سے پوچھنے کی جرأت کروں گا کہ کیا یہ صورت فقہی تقاضے کے علاوہ صحیح اسلامی تہذیب کا تقاضا بھی پورا کر دیتی ہے۔

قرآن کریم نے انسانی لباس کو "زینت" کا نام دیا ہے (خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ ۷: ۳۱) دوسرے مقام پر اسے "ریش" (۷: ۲۵) کی صفت سے متصف قرار دیا گیا ہے اور اس میں بھی زینت کا مفہوم شامل ہے۔ گویا مقصودِ شارع یہ ہے کہ انسان نہ صرف عام زندگی میں ایسا لباس پہنے جو معقول اور خوش منظر ہو بلکہ نماز میں بھی اس کا اہتمام کرے۔ چنانچہ ابتدائی اسلامی معاشرے سے لے کر تقریباً موجودہ دور تک اُمتِ مسلمہ کے افراد کا لباس، باستثناء معدودے چند سرپھروں کے، ہمیشہ معقول و شائستہ اور اسلامی تہذیب کے مطابق رہا ہے، اور اس میں سر کی پوشش کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ "پگڑی" یا "ٹوپی" کے الفاظ استعارتاً عزت و آبرو کے معنی دینے آتے ہیں۔ "پگڑی اچھالنا" اور "ٹوپی اُتار لینا" ایسے محاورے بن گئے جن کے معنی ذلیل کرنا ہیں۔ ظاہر ہے ایسے اسلامی معاشرے میں جب علمِ فقہ مدوّن ہوا تو اُس میں لباس کے اجزا میں سر کی پوشش کو لازماً نماز کے آداب میں شمار کیا گیا۔

لیکن افسوس ہے کہ بعد کے ادوار میں، جب مظاہرِ دین کو عینِ دین اور روحِ دین سمجھ لیا گیا، اور تقلیدِ جامد ہی از عامی تا عالم، شعار پایا تو متاخرین علماء نے اس بات کو فراموش کر دیا کہ عبادات کی اصل وہ جذبہ ہے جس کے تحت انسان اپنے رب کی عبادت کرتا ہے، نہ کہ وہ ظواہر جن کو طوعاً و کرہاً، خواہ لوگوں کی شرما شرمی، خواہ عادتِ مستمرہ کے طور پر، لوگ اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا اب اُن کا زور تمام تر انہی ظواہر کی درستی پر صرف ہونے لگا۔ نماز اور اُس کے لوازم کی جزئیات پر تاکید اسی تقلید اور جذبۂ عبودیت سے بے اعتنائی کا نتیجہ تھا۔ نماز میں سر ڈھانکنا بھی میرے خیال میں انہی مسائل میں سے ہے۔

میں صاحبِ مضمون سے یہ حسنِ ظن رکھتے ہوئے بھی کہ وہ ظواہر پر زور دینے والے علماء میں سے نہیں ہیں، بہ ادب گذارش کروں گا کہ فقہی اعتبار سے چاہے نماز میں سر ڈھانکنا ضروری ہو، اس پر جو لوگ عملدرآمد کرتے ہیں، اُن میں خاصی بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنے عمل سے اسے منشائے شارع کے خلاف، بلکہ بعض صورتوں میں انتہائی مضحکہ خیز بنا دیتے ہیں۔

یقیناً آپ نے بھی یہ منظر بارہا دیکھا ہوگا کہ بڑے معقول، مہذب اور خوش پوش صاحبان نماز پڑھتے وقت جیب سے بالشت ڈیڑھ بالشت کا رومال نکال کر اور اس کے کونوں پر گرہیں لگا کر سر پہ اٹکا لیتے ہیں، یا مسجد میں پڑی ہوئی تنکوں کی میلی، پھٹی سی ٹوپی اٹھا کر اوڑھ لیتے ہیں۔ اور پھر بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک مرتبہ میں نے تو یہ تماشا تک دیکھا کہ ایک صاحب نے اپنا ہاف کوٹ اُتار کر سر پر جما لیا اور اس طرح آدھا چہرہ چھپائے، لٹکتی آستینوں سے نماز پڑھی (میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ قمیص یا کرتے کا پچھلا دامن اُلٹ کر سر پر ڈال لیا اور پیٹھ ننگی رہی۔ ف۔ ص) میں پوچھتا ہوں، کیا یہ مناظر ایک مسلمان کی نماز کو اغیار کی نظر میں (بلکہ خود شارع کی نظر میں۔ ف۔ ص) باوقعت بنا سکتے ہیں؟ یا اس طرح قرآن کے ارشاد کا (کہ مسجد جاتے وقت اپنی زینت پورے طور سے اختیار کرو) منشا پورا کرتے ہیں؟ مگر ان نماز پڑھنے والوں کو تو فقط اتنا ہی معلوم تھا کہ فقہ کی رُو سے نماز پڑھتے وقت سر چھپانا بہرحال ضروری ہے، انہیں یہ کسی نے نہیں بتایا تھا کہ محض سر ڈھانک لینا ہی مطلوبِ شارع نہیں۔ پوشش سر کا "زینت" ہونا بھی ضروری ہے۔

پس اگر آج کے دَور میں جب کہ پورے معاشرے کے تمدنی لوازم میں سے سر کی پوشش تقریباً خارج از لباس ہو چکی ہے۔ اور ایک مجلس میں، خواہ وہ عوام کی ہو یا خواص کی، آپ کو ایک فیصد افراد بھی ٹوپی یا پگڑی وغیرہ سر پہ رکھے نہیں ملتے، تو آپ کس طرح ان صاحبوں کو نماز کی اس فقہی صورت کو اختیار کرنے کے لیے کہہ سکتے ہیں جو صدیوں پہلے کے دَور میں درست بلکہ ضروری تھی، کیونکہ تب پوشش سر بھی لباس کا ایک لازمی حصہ تھا۔ جب کہ آج کی نسل سر کی پوشش کے تصور سے بھی غالباً عاری ہے۔ آج ایک شخص اچھے سے اچھا لباس پہن کر ننگے سر ہی رہتا ہے، بلکہ معززین سے بھی اسی طرح ملتا ہے اور غیر ممالک کا دَورہ بھی کر لیتا ہے اور کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتا۔ تو کیا حرج ہے اگر وہ اسی طرح ننگے سر مالکِ حقیقی کے حضور میں بھی حاضر ہو جاتا ہے۔

ذرا تصور میں یہ شکل لائیے کہ ایک شخص اس حال میں نماز پڑھ رہا ہے کہ ننگے سر ہے، مگر اس کے علاوہ اس کا لباس پوری طرح معقول اور مہذبانہ ہے اور اس کے برخلاف، دوسرا شخص اس حال میں محوِ نماز ہے کہ اس کے آدھے سر پہ گرہیں لگا رومال چپکا ہوا ہے، یا تنکوں کی بنی ہوئی ٹوپی ہو جو نہ صرف جگہ جگہ سے تار تار ہے بلکہ ہر آئندہ روند کے استعمال سے میلی ہوتے ہوتے کالی ہو رہی ہے اور وہ اس طرح

سر پہ ٹکی ہوتی ہے کہ چُنڈیا کے سوا باقی پورا سر مع اُلجھے اور بڑھے ہوئے بالوں کے نظر آرہا ہے۔ یہ شبیہ فرضی نہیں، روزمرّہ کے مشاہدے کی بات ہے۔ میں پوچھتا ہوں، ان میں سے کون ہے جو شارع کا منشا بہتر طور پر پورا کرتا ہے؟

مَیں مفتی یا فقیہہ نہیں، مگر دین کی جو معمولی سی سوجھ بوجھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے اس کی بنا پر اپنے حلقۂ متعارف میں مَیں کہا کرتا ہوں کہ جس ہیئت کذائی میں آپ لوگ ایک عام سے افسر کے سامنے جاتے ہوئے شرمائیں، اُسی حلیے میں مالکِ کون و مکان، ربّ العٰلمین کے دربار میں حاضری دینا آپ کس طرح گوارا کر لیتے ہیں؟ گویا صرف سر کو چھپا لینا نہیں، معقول لباس میں ہونا اصل مقصود ہے۔

اور اب مَیں واپس اپنے اُس قول کی طرف آتا ہوں جس سے مَیں نے ان سطور کا آغاز کیا تھا یعنی میرے خیال میں سر کی پوشش فقہی سے زیادہ تمدّنی مسئلہ ہے، لیکن یہاں ایک وضاحت کر دینا مناسب ہوگا کہ میں خود کبھی ننگے سر نماز نہیں پڑھتا (اگرچہ میں نے ایک ایک مرحوم عزیز بزرگ کو جو علمِ دین اور تقویٰ سے بہرۂ وافر رکھتے تھے، بارہا اس حال میں دیکھا کہ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اپنی بھاری بھر کم اور معقول ٹوپی اُتار کر ایک طرف رکھ دیتے تھے۔) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹوپی میرے عام لباس کا جزء ہے۔ مگر نئی نسل سے مَیں عام طور پہ یہی کہا کرتا ہوں کہ سر ڈھانکنے کی مضحکہ خیز کوشش کے بجائے سر کے بال ٹھیک سے آراستہ کر کے ننگے سر نماز پڑھ لینا میری رائے میں زیادہ بہتر ہے۔ البتہ ہماری، خصوصاً علمائے کرام کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اِس تمدّن کی خرابیاں واضح کر کے نئی نسل کو اسے ترک کرنے کا مشورہ دیں، جس کی بنیاد ہی بے حیائی پر رکھی گئی ہے جب کہ اسلامی تمدّن میں حیا "شُعبۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ"

اِس حیا سے عاری تمدّن کا شاخسانہ یہ ہے کہ سر ڈھانکنا تو ایک طرف، ہمارے نوجوان کو سَتر ڈھانکنا بھی نہیں معلوم۔ فاضل مضمون نگار کو اس بات پر تشویش ہے (اور بجا بھی ہے) کہ لوگ ننگے سر نماز ادا کرنے لگے ہیں، حالانکہ فقہی اعتبار سے ایسی نماز کو زیادہ سے زیادہ مکروہ کہا جا سکتا ہے، لیکن مجھے اس سے بڑھ کر اس بات پر تشویش ہے (اور اس تشویش میں مَیں صاحبِ مضمون کو بھی شریک کرنا چاہتا ہوں) کہ لوگ ننگے بدن نماز پڑھنے لگے ہیں، جو فقہی اعتبار سے فاسد ہی ہوتی ہے! میری اس بات پر ناظرین چونک اُٹھے ہوں گے۔ لیکن یہ چونک اُٹھنا بھی

میرے دعوے کی تائید کرتا ہے کہ ہمارا معاشرہ اسلامی حیا کی اقدار سے کس قدر غافل یا بے خبر ہو گیا ہے۔ مغربی تمدن سے متاثر ہو کر آج ہمارے کثیر بھائی، کیا شرفا اور کیا عوام، جس طرح بے تحاشا مغربی لباس اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں وہ میرے نقطۂ نظر سے حد درجہ خوفناک ہے۔ جب میں اچھے خاصے متقی اور مہذب شرفاء، بلکہ تحریک اسلامی سے وابستہ حضرات کو بھی کوٹ پتلون (یا اکثر اوقات صرف پتلون) میں ملبوس اور گلے میں مسیحیت کا شعار، ٹائی باندھے دیکھتا ہوں تو حیرت سے سوچتا رہ جاتا ہوں کہ یہ لوگ کس طرح سترِ عورات کے تقاضوں تک سے نابلد یا غافل ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ پتلون کی چُستی اور تنگ دامانی میں اسلامی حیا کسی طرح نہیں سما سکتی؟ خصوصاً جب ایک نمازی اسی پتلون میں رکوع و سجود کرتا ہے تو وہ صریحاً ارشادِ نبویؐ کے بموجب "کاسیٌ عاریٌ" نظر آتا ہے، اور اُس کا وہ حصۂ جسم، جو شریعت کی رُو سے ستر بلکہ سترِ غلیظ ہے، نمایاں ہو جاتا ہے[1]۔ جیسا کہ ایک مرتبہ مشہور عالم اور صحافی مولانا عامر عثمانی مرحوم نے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ لباس کا یہ مطلب نہیں کہ جسم پر کپڑا منڈھ لیا جائے۔ اسلامی ثقافت کی رُو سے ایسا لباس کسی طرح لباس کے حکم میں نہیں آ سکتا۔ پس ضرورت اس کی ہے کہ ٹوپی یا عمامہ سر پر رکھوانے کی فکر کرنے سے پہلے اس مہم کا آغاز کیا جائے کہ مسلمان جدید حیا سوز مغربی تمدن کو چھوڑ کر اپنے ملی تمدن کی اقدار اپنائیں۔ ہمارا سلوگن مختصر الفاظ میں یہ ہونا چاہیے: "حیا بڑھاؤ، ہَوا (ہوائے نفس) گھٹاؤ"۔ ہمارے پورے معاشرے کا بگاڑ، میرے نزدیک، انہی دو بیماریوں کا نتیجہ ہے کہ حیا، جو ایک مومن کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے، ہر شعبۂ زندگی سے خارج ہو چکی ہے، اور ہوائے نفس جس پر قابو پا کر ہمیں اللہ کے احکام کا مُسلم بن کر رہنا چاہیے تھا، اِس حد تک بڑھ گئی ہے کہ غالباً ملحد قومیں بھی اس راہ میں ہم سے پیچھے رہ گئی ہیں۔

موجودہ حکومت کے دَور میں دین کے لیے کام کرنا اور دینی شعائر کی پابندی کرنے پر لوگوں کو دعوت دینا اتنا دشوار نہیں رہا جتنا سابق ادوار میں تھا۔ خود حکومت بھی کم از کم دعویٰ یہی کرتی ہے کہ اُس کا نصب العین اسلامی نظام نافذ کرنا ہے۔ اس ضمن میں ایک پیش رفت، خواہ وہ بظاہر معمولی

---

[1] اور جدید تراش کی پتلون میں تو رکوع و سجود کے بغیر بھی انسان صاف ننگا کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ اسی فیشن کا رواج ہمارے نوجوانوں میں آج زیادہ عام ہوتا جا رہا ہے۔ (مؤلف)

ہی ہو۔ میرے نزدیک اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ وہ [illegible] ہمارے دوسرے داعیانِ حق کو بنی بات کہنے کا موقع فراہم کرتی ہے، اور وہ ہے قومی لباس کا افسرانِ حکومت کے لیے لازم قرار دینا۔ اس نتیجے میں اب حکام اور افسران بلکہ گورنروں اور وزیروں تک کو مغربی لباس چھوڑ کر قومی لباس اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ ایسے میں ہمارے رفیقوں اور دین کی طرف بلانے والوں کو پورے زور سے اس کی فکری تائید کرنی چاہیے، یعنی انہیں واضح کرتے رہنا چاہیے کہ کوٹ پتلون ہمارے اسلامی تصوّرِ حیا کے قطعاً منافی ہے۔ اور اس کے علاوہ اس کے پائنچے بھی خلافِ شرع لمبائی تک لٹکتے ہیں، جو ایک الگ گناہ ہے[1]۔ اور شیروانی اور شلوار یا پاجامہ ہمارے ہاں یونہی الل ٹپ رواج نہیں پا گیا تھا۔ بلکہ ہمارے قریبی اسلاف نے ہماری تمام دینی اور ماحولی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس لباس کو بطور "فیشن" اختیار کیا تھا۔ کیونکہ یہ ستر کی پردہ پوشی بھی کرتا ہے، خوش منظر بھی ہے اور ہمارے موسموں کے لیے بھی موزوں ہے اس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ ایک طرف حکومت کا حکم اور دوسری طرف علماء کی اخلاقی اور اسلامی توجیہہ ہمارے قومی لباس کے پھر رائج ہونے میں ممد ہو گی۔ اور اس کے نتیجے میں ہم اسلامی حیا کے جس تصوّر سے عاری ہوتے جا رہے تھے وہ از سرِ نو ہمارے ذہنوں اور دلوں میں راسخ ہوتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

نوٹ: اب صرف ایک اختتامی مضمون اس موضوع پر مولانا سید محمود حسن صاحب (اوّلین مضمون نگار) کا شائع ہو گا۔ اس کے بعد یہ بحث بند کر دی جائے گی۔ (ادارہ)

---

[1] بعض حضرات نماز پڑھتے وقت پتلون کے پائنچے چڑھا کر ٹخنے ننگے کر لیتے ہیں، لیکن اس طرح وہ نادانستہ مزید دو گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں: ایک لباس کا حلیہ بگاڑنا، دوسرے یہ نیّت کرنا کہ نماز کے بعد پائنچے پھر نیچے کر لیں گے، حالانکہ ایک گناہ کو نماز کے وقت تک ملتوی کر دینا اور نماز کے بعد پھر اسی گناہ پر اصرار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی میخوار کا رمضان تک کے لیے تائب ہو جانا اور عید کا چاند دیکھتے ہی "کلیدِ میکدہ گم گشتہ بود، پیدا شد" کہتے ہوئے غرق مے ناب ہو جانا۔